"تفہیم القرآن" اور صاحبِ تفہیم القرآن

سید حامد عبد الرحمٰن الکاف

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفسیر تفہیم القرآن پاک و ہند میں اور ان سے باہر پائے جانے والے اردو داں طبقات میں ایک بہت ہی جانی پہچانی، معروف اور مستند اول تفسیر ہے۔ یہ تفسیر نہ صرف دانشوروں اور پڑھے لکھے طبقات میں مقبول ہے بلکہ اس کی قبولیت عام کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ہر روز سیکڑوں مقامات پر یہ اجتماعات میں یا تو درساً درساً پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے یا پھر اس کو پڑھ کر حاضرین کو جن میں ہر طبقے کے لوگ شامل ہوتے ہیں، سنایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے ساری دنیا میں--- اجتماعی اور انفرادی طور پر--- پڑھے جاتے ہیں۔ نہایت وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ آج ساری اردو تفسیروں میں یہ تفسیر سب سے زیادہ شائع ہوئی ہے۔

اس تفسیر اور ترجمہ کی امتیازی خصوصیات بیان کرنے سے قبل ہم کچھ صاحب تفہیم القرآن کے بارے میں بیان کریں گے۔

سید مودودیؒ نے محرم ۱۳۵۲ھ (اپریل ۱۹۳۳ء) میں، حیدر آباد دکن کے رسالہ ترجمان القرآن کی ادارت سنبھالی جو ان کی زندگی کا جزو لاینفک بن گیا۔ اسی رسالے نے اس اسلامی انقلابی تحریک کے لیے زمین ہموار کی جو تحریک "جماعت اسلامی" کے نام سے دنیا میں مشہور ہے۔ یہ وہ عظیم تحریک ہے جس نے اسلام کو نہ صرف نظریاتی سطح پر ایک نظام حیات کی حیثیت سے پیش کیا بلکہ اس نے اس کو عملاً نافذ کرنے کے لیے مسلسل جدوجہد بھی کی۔ ان مبارک کوششوں کے اثرات فکری اور عملی حیثیتوں سے ساری دنیا میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ آخری سانس تک سید مودودیؒ کسی نہ کسی جہت سے اسلامی تحریک کی قیادت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

شخصی خصوصیات

صاحب تفہیم القرآن کی شخصیت جن نمایاں اوصاف سے عبارت تھی، ان میں چند قابل ذکر اوصاف درج ذیل ہیں:

خدمت قرآن

ابتدا ہی سے صاحب تفہیم القرآن کا ہدف قرآن کریم کی خدمت تھا۔ چنانچہ ترجمان القرآن کے پہلے "اشارات" میں جس کو انھوں نے "فاتحہ" کا نام دیا' یہ اعلان کیا:

> ترجمان القرآن کے مقاصد میں سے ایک اہم اور ضروری مقصد یہ بھی ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کو قرآن کے سمجھنے میں مدد دی جائے۔ اس مقصد کے ذیل میں ان شکوک و شبہات کا ازالہ بھی تھا جو قرآن کا مطالعہ کرنے والوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے لیے ترجمان القرآن میں ایک مستقل باب ہو گا جس میں ہر شخص کو اپنی مشکلات اور اپنے شبہات پیش کرنے کا حق ہو گا اور حتی الامکان ان کو حل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

رسالے کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہوتی تھی: "علوم و معارف قرآنی اور حقائق فرقانی کا ذخیرہ"۔

صاحب ترجمان کے نزدیک قرآن مجید کا منصب و مقام کیا تھا' اسے انھی کے لفظوں میں نقل کرتا ہوں۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> جاہلیت کے زمانے میں' میں نے بہت کچھ پڑھا ہے' قدیم و جدید فلسفہ' سائنس' تاریخ' معاشیات' سیاسیات وغیرہ پر اچھی خاصی ایک لائبریری دماغ میں اتار چکا ہوں' مگر جب آنکھ کھول کر قرآن کو پڑھا تو بخدا یوں محسوس ہوا کہ جو کچھ پڑھا تھا' سب ہیچ تھا۔ علم کی جڑ اب ہاتھ آئی' کانٹ' ہیگل' نطشے' مارکس اور دنیا کے تمام بڑے بڑے مفکرین اب مجھے بچے نظر آتے ہیں۔ بے چاروں پر ترس آتا ہے کہ ساری عمر جن گتھیوں کو سلجھانے میں الجھتے رہے اور جن مسائل پر بڑی بڑی کتابیں تصنیف کر ڈالیں پھر بھی حل نہ کر سکے' ان کو اس کتاب نے ایک دو فقروں میں حل کر کے رکھ دیا ہے۔ اگر یہ غریب اس کتاب سے ناواقف نہ ہوتے تو کیوں اپنی عمریں اس طرح ضائع کرتے؟ میری اصل محسن بس یہی ایک کتاب ہے۔ اس نے مجھے بدل کر رکھ دیا ہے' حیوان سے انسان بنا دیا ہے' تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئی' ایسا چراغ میرے ہاتھ میں دے دیا ہے کہ زندگی کے جس معاملے کی طرف نظر ڈالتا ہوں' حقیقت اس طرح برملا مجھے دکھائی دیتی ہے گویا اس پر کوئی پردہ ہی نہیں ہے۔ انگریزی میں اس کنجی کو "شاہ کلید" (master key) کہتے ہیں جس سے ہر قفل کھل جائے' سو میرے لیے یہ قرآن "شاہ کلید" ہے۔ مسائل حیات کے جس قفل پر اسے لگاتا ہوں وہ کھل جاتا ہے۔ جس خدا نے یہ کتاب بخشی ہے' اس کا شکریہ ادا کرنے سے میری زبان عاجز ہے۔ (مکتوب بنام سید ابو الحسن علی ندوی' ۳۱ اگست ۱۹۴۰)

قرآن کی تعلیمات پر عمل

ایک سوال یہ ہے کہ مولانا نے قرآن کو ''شاہ کلید'' تو قرار دیا ہے مگر کیا انھوں نے اس ''شاہ کلید'' کی تعلیمات پر عمل بھی کیا، کیوں کہ عمل ہی قول کے صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے؟

ان کلمات کے لکھنے سے چند ماہ قبل مولانا رحمتہ اللہ علیہ کو ایک امتحان سے گزرنا پڑا۔ یہ امتحان ان ''اشارات'' کی وجہ سے دینا پڑا جو انھوں نے جنگ عظیم دوم میں برطانیہ کے داخلے اور اعلان جنگ پر لکھے تھے۔ یہ ''اشارات'' سنسر ہو گئے اور اس ماہ کا ترجمان سادہ اور غیر مطبوعہ صفحات کے ساتھ شائع ہوا۔ صرف یہ آیت کریمہ لکھی ہوئی تھی:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○ (الروم ۳۰:۴۱)۔

خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزا چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آئیں۔

اس سنسر کی داستان اس زمانے کے سنسر نمبرانے، جو بعد میں میاں عبدالحمید ایڈیٹر پاکستان ریویو کی حیثیت سے مشہور ہوئے، یوں بیان کی ہے کہ جب مولانا مودودیؒ سے معافی--- حتیٰ کہ صرف زبانی معافی چاہنے کا مطالبہ کیا گیا تو آپ نے کہا:

میں نے قرآنی تعلیم، تاریخ اسلام اور تاریخی واقعات کو پیش نظر رکھ کر اظہار خیال کیا ہے..... رہی بات مجھے وارننگ کی تو میں اسے پرکاہ بھی اہمیت نہیں دیتا۔ میں نے قرآن کا دامن کبھی ہاتھ سے چھوڑا ہے اور نہ چھوڑوں گا.... آپ مجھے کہتے ہیں کہ میں معافی مانگوں، یہ ناممکن ہے۔ آپ کی حکومت مجھے تختہ دار پر لٹکا دے، عمر قید کر دے، نظر بند کر دے، میں کبھی معافی نہ مانگوں گا (قومی ڈائجسٹ جنوری ۱۹۸۰، ص ۲۲۴)۔

یہ یکم ستمبر ۱۹۳۹ کی بات ہے۔ اس جواب نے حکومت برطانیہ کو خاموش کر دیا اور یہ کیس فائل ہو گیا۔

قرآنی تعلیمات پر جماعتی اور قومی سطح پر عمل

مولانا مودودیؒ نہ صرف شخصی دائرہ عمل میں قرآن کے دامن کو تھامے ہوئے تھے بلکہ انھوں نے پہلے جماعتی سطح پر اور بعد میں پاکستان میں قومی سطح پر قرآن کو انفرادی، جماعتی اور ملکی سرگرمیوں کا محور اور رہنما بنایا اور بنانے کی جدوجہد کی۔

(الف)--- اس بات کا پہلا موقع اس وقت آیا جب دارالاسلام پٹھانکوٹ کے قیام کے لیے مولانا حیدر آباد دکن سے ۱۸ مارچ ۱۹۳۸ کو پٹھانکوٹ منتقل ہوئے۔ جس کا نقشہ انھوں نے دارالاسلام کی اسکیم کے

تحت رسالہ دارالاسلام جلد ا، شمارہ ا، ستمبر ۱۹۳۹ء (رجب ۱۳۵۸ھ) میں صفحات ۱۲-۱۳ پر پیش کیا تھا (تذکرہ سید مودودی، اول، ص عکس ۸)۔

(ب)--- دوسرا موقع جماعت اسلامی کی تاسیس اور دستور جماعت کی منظوری کا تھا، جو یکم شعبان ۱۳۶۰ھ (۲۶ اگست ۱۹۴۱) کو پیش آیا۔ اس میں جماعت کا دستور منظور ہوا۔ اس میں توحید کی تشریح کی گیارھویں شق یہ ہے:

اپنے اخلاق میں، برتاؤ میں، معاشرے اور تمدن میں، معیشت اور سیاست میں، غرض زندگی کے ہر معاملے میں صرف اللہ کی ہدایت کو ہدایت اور صرف اس کے مقرر کیے ہوئے ضابطے کو ضابطہ تسلیم کرے اور ہر اس طریقے کو رد کر دے جس کا اللہ کی طرف سے ہونا ثابت نہ ہو۔

ان ہی امور کو رسالتؐ کی تشریح کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے جبکہ "مطلوبہ لازمی تغیرات" کے تحت ان (۷) لازمی تبدیلیوں کا ذکر ہے جو لازماً ہر اس شخص کو اپنی زندگی میں کرنی ہوں گی جو تحریک اسلامی سے وابستہ ہو گا۔

یہ تھی سید مودودیؒ اور جماعت اسلامی کے ہاں "عمل" کی اہمیت۔

(ج)--- ریاستی سطح پر قرآن اور سنت پر عمل کا مسئلہ اس وقت پیش آیا جب ۱۴ اگست ۱۹۴۷ کو پاکستان وجود میں آیا۔ ٹھیک چار ماہ بائیس دن کے بعد ۶ جنوری ۱۹۴۸ کو مولانا مودودیؒ نے لا کالج پنجاب یونی ورسٹی لاہور میں ایک تقریر کی جس کو دستور اسلامی کی تدوین کے عنوان کے تحت بعد میں شائع کیا گیا۔ اس میں مولانا نے اسلامی قانون کے مصادر اور ماخذ: کتاب، سنت، اجماع اور اجتہاد وغیرہ پر بحث کی۔ پھر ۱۹ فروری ۱۹۴۸ کو اسی لا کالج میں اسلامی دستور کی تنفیذ کے عنوان پر ایک اور تقریر کی جس میں دستور کی تنفیذ کے مختلف مراحل کا تفصیل سے ذکر کیا گیا تھا۔

ساتھ ہی ساتھ جماعت اسلامی نے ملک گیر دستوری مہم کا آغاز کیا جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ:

(۱) ملک کا قانون شریعت پر مبنی ہو گا، (۲) کوئی ایسی قانون سازی نہ کی جائے گی جو شریعت کے احکام یا اصول کے خلاف ہو، (۳) تمام ایسے قوانین کو منسوخ کیا جائے گا جو شریعت کے احکام یا اصول سے متصادم ہوں، (۴) حکومت کا یہ فرض ہو گا کہ ان برائیوں کو مٹائے جنھیں اسلام مٹانا چاہتا ہے اور ان بھلائیوں کو فروغ دے جنھیں اسلام فروغ دینا چاہتا ہے۔

اسی اثنا میں ۲۴ نومبر ۱۹۵۲ کو کراچی بار ایسوسی ایشن کی دعوت پر سید مودودیؒ نے اسلامی ریاست کی بنیادیں پر اظہار خیال کیا۔ اس کو ان دو لیکچروں کا تتمہ کہنا چاہیے جو لا کالج لاہور میں ۱۹۴۸ میں دیے گئے تھے۔ ۱۹۵۲ ہی میں وہ دستوری تجاویز، مودودی رحمتہ اللہ علیہ نے دستور ساز اسمبلی کو پیش کیں جو چھپ کر

مقبول عام ہو چکی تھیں۔ پھر ۳۱ علما کے "بنیادی اصول" اور "دستوری ترمیمات" وغیرہ پیش ہوئیں۔

دستوری جدوجہد--- یا کش مکش --- کا ایک اور پہلو سنت کی آئینی حیثیت اور حجیت، یعنی انکار حدیث کے فتنے کا سدباب کرنا اور اسی سکے کے دوسرے رخ، انکار ختم نبوتؐ کا سدباب کرنا بھی تھا۔ جہاں تک فتنہ انکار حدیث کا تعلق ہے تو یہ محاذ بالکل ابتدا ہی سے ترجمان القرآن میں کھل چکا تھا اور آخری دن تک جاری رہا۔ رہا فتنہ انکار ختم نبوتؐ تو اس میں مولانا مودودی کو پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ انھوں نے معافی مانگنے سے انکار کر دیا اور سزائے موت، عمر قید بامشقت میں تبدیل کر دی گئی۔

بہت کم لوگوں کو "انکار حجیت حدیث" اور "انکار ختم نبوتؐ" کے باہمی ربط کا احساس ہے۔ یہ اس دین کو "سیکولر مسیحیت" کی شکل میں ڈھالنے کی استعماری کوششوں کا نتیجہ ہے تاکہ شریعت، شرعی احکام اور اس دین کے نظام کو اس "خاص صبغۃ اللہ" سے "آزاد" کر لیا جائے جو سیرت رسولؐ اور سنت رسولؐ، اسلامی زندگی کے ہر گوشے، ہر پہلو اور ہر جز میں دیتی ہے تاکہ اس کے بعد مغربی مسیحی اصباغ (paints) کے ذریعے نام نہاد "اسلامی" زندگی اور نظام کی زینت اور آرایش، حسب مزاج، حسب ضرورت اور حسب طلب کی جا سکے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے ذکر کے بغیر یہ تذکرہ نامکمل رہے گا۔ تاسیس جماعت کے وقت جو کچھ سرمایہ تھا، وہ سب کا سب مولانا مودودیؒ کا مہیا کیا ہوا تھا کیونکہ انھوں نے **الجہاد فی الاسلام**، رسالہ **دینیات** (اردو انگریزی)، **پردہ**، **حقوق الزوجین** اور **تفہیم القرآن** کے علاوہ اپنی ساری کتابیں اور ان کی کل آمدنی پہلے دارالاسلام اور پھر جماعت اسلامی کے لیے وقف کر دی۔

ہم نے ان تفصیلات کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سید قطب رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ساتھ عصر حاضر میں سید مودودیؒ ہی ایک ایسا تنہا مفسر قرآن ہے--- جس نے قرآن کریم اور حامل قرآن کریمؐ کی تعلیمات کو انفرادی، جماعتی اور حکومتی و ریاستی سطح پر نافذ کرنے کے لیے پوری زندگی جدوجہد کی۔ اس سلسلے میں ان کو جیل خانوں کی ہوا بھی کھانی پڑی اور پھانسی کے تختے تک بھی جانا پڑا۔ اس راہ میں ان پر گولیاں بھی چلائی گئیں۔ جھوٹے الزامات سننا اور برداشت کرنا تو ایک عام بات تھی۔

یہ وہ اہم ترین سبب ہے جو صاحب **تفہیم** کو نہ صرف عصر حاضر بلکہ پچھلی کئی صدیوں تک کے مفسرین میں وہ امتیازی مقام و مرتبہ عطا کرتا ہے جو سید قطب رحمتہ اللہ علیہ کے علاوہ کسی اور کے نصیب میں نہیں لکھا گیا تھا۔ اس وجہ سے ان دونوں مجاہدین حضرات کی تفسیریں پچھلی کئی صدیوں میں لکھی ہوئی تفسیروں سے بالکل مختلف ہیں۔ ان کو ان سارے شدائد و مصائب اور مراحل اور ان تمام سرد و گرم معاملات سے عملاً گزرنا پڑا جن سے اسوہ رسولؐ کی اتباع میں داعیان حق کو گزرنا پڑتا ہے۔ ان تجربات و مشاہدات، شدائد و مصائب اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے احساسات اور جذبات کا عکس ان دونوں تفسیروں میں بالکل

واضح طور پر پایا جاتا ہے جو کسی اور تفسیر میں موجود نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس دنیا میں انقلاب پیدا کرنے کے لیے نازل کی گئی تھی۔ اسی وجہ سے اس کے اسرار و رموز صرف ان لوگوں پر کھلتے ہیں اور کھولے جاتے ہیں، جو اسوہ رسولؐ کی اتباع میں ان سارے شدائد، مراحل اور مصائب سے گزریں جو مکہ مکرمہ، طائف اور حبشہ میں یا مدینہ منورہ، تبوک، موتہ اور حنین میں پیش آتے رہے ہیں۔ جب کبھی ان میں سے کسی مرحلے، واقعے، ابتلا، فتح، ہزیمت، سازش، تکلیف یا مصیبت سے پالا پڑے گا، اس کی مناسبت سے آیات، سورتیں اور ان کا مفہوم خود بخود سمجھ میں آ تا رہے گا۔ یہی اس کتاب دعوت کی سب سے بڑی خصوصیت ہے (فی ظلال القرآن، سید قطب، ج ۳)۔

کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ کیا اس سے مستثنیٰ ہیں؟ عرض یہ کرنا ہے کہ ان حضرات کی بھی بڑی گراں قدر خدمات ہیں مگر اپنے دور کے مخصوص حالات کی وجہ سے انھوں نے کوئی ایسی تحریک نہیں چلائی تھی کہ اس سے ان کے معاشروں میں انقلابی تبدیلی رونما ہو سکتی۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی تفسیری خدمات اور کاوشیں قابل قدر ہیں اور منفرد اہمیت کی حامل ہیں۔ تاہم دور جدید میں فی ظلال القرآن اور تفہیم القرآن کا اپنا ہی منفرد مقام ہے۔

رہا شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمتہ اللہ علیہ کا معاملہ، تو ان کو ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ کی تعلیمات کا تسلسل کہنا زیادہ صحیح ہو گا۔ پھر انھوں نے محمد بن سعودؒ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی دعوت کو ایک طرح سے سیاسی مدوجزر کے حوالے کر دیا جس کے نتائج آج کل تو بالکل ہی کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔ اب اسلام اور علماے اسلام حکومت کے تابع دار ہیں، نہ کہ حکومت اور حکام، اسلام اور علما کے تابع دار ہوں۔ اگرچہ امام محمد بن عبدالوہابؒ کے دور میں علما کا بھی ایک مقام تھا جو ملوک کے برابر نہ سہی مگر عزت و احترام کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔ اب تو یہ بات بھی قصہ پارینہ ہو چکی ہے۔

تفہیم القرآن کی امتیازی خصوصیات

یہاں تک ہم نے صاحب تفہیم القرآن کی بعض اعتقادی، فکری اور عملی خصوصیات کی وضاحت کی ہے۔ اب خود تفہیم القرآن کی خصوصیات پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

۱- **سلسلہ وار اشاعت:** تفہیم کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کو سب سے پہلے ماہنامہ ترجمان القرآن میں قسط وار شائع کیا گیا۔ نتیجے کے طور پر عام قارئین کو اور علما کرام کو اور دوستوں اور دشمنوں کو اس کے عیوب اور محاسن کو جاننے اور ان کے بارے میں کلام کرنے بلکہ نشان دہی کرنے کا موقع ملا۔ اس طرح صاحب تفہیم کو اپنے ترجمہ، ترجمانی اور تفسیری حواشی پر انتقادات کی روشنی میں بار بار غور کرنے اور ان کو بہتر سے بہتر بنانے کا سنہری موقع ہاتھ آیا۔ یہ تفسیر فکر و نظر اور تنقید و تنقیص کی چھوٹی بڑی

چھلنیوں میں چھن چھن کر بہت کچھ نکھر گئی ہے۔

یہ سلسلہ مولانا نے ترجمان القرآن کے شمارہ محرم ۱۳۶۱ھ مطابق فروری ۱۹۴۲ء، جلد ۲۰، عدد ا سے شروع کیا۔ اس طرح یہ سلسلہ مولانا کی زیر ادارت نکلنے والے ترجمان کے نویں سال کی ابتدا سے شروع ہوا۔ اس ۹ سال کے عرصے میں:

(الف)--- متحدہ ہندستان میں صاحب ترجمان ایک بلند پایہ عالم دین اور صاحب بصیرت سیاست دان اور ترجمان القرآن ایک باوقار اور سنجیدہ دینی ماہنامے کی حیثیت سے معروف ہو چکے تھے۔

(ب)--- ۱۹۳۷ کے آخر میں مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش جلد اول اور ۱۹۳۸ کے آخر میں اسی کی جلد دوم اور پھر ۳۹-۱۹۴۰ میں مسئلہ قومیت شائع ہو چکے تھے۔ ان کتابوں نے مولانا کو ایک صاحب بصیرت رہنما کی حیثیت سے ہندستان کے طول و عرض میں مشہور کر دیا تھا، مگر ابھی تک مولانا کا اپنا کوئی مستقل لائحہ عمل اور پلیٹ فارم کسی کے سامنے نہیں آیا تھا۔

(ج)---- مثبت فکری اور عملی کوشش تاسیس جماعت اسلامی کے دن سے شروع ہوئی جو یکم شعبان ۱۳۶۰ھ (۲۶راگست ۱۹۴۱ء) تھا۔ اس روز مولانا کی راہ عمل بالکل واضح ہو کر ایک جماعتی پروگرام کی شکل اختیار کر چکی تھی اور اس کے چار ماہ بعد ترجمان القرآن میں یہ سلسلہ شروع کیا گیا جبکہ وہ تحریک اسلامی کے قائد بن چکے تھے اور اسلام کی طرف دعوت دینے کی وجہ سے ان کو ان مراحل، مشکلات اور مصائب سے گزرنا پڑ رہا تھا جو کسی بھی قائد تحریک اسلامی کو پیش آنے ضروری تھے اور ہیں۔

اسباب بالا نے تفہیم کو صرف نظری، علمی، کلامی، منطقی، تفسیر نہیں رہنے دیا، جیساکہ اس زمانے میں اور آج بھی ان تفسیروں کا حال ہے جو محض "علمیت" ثابت کرنے کے لیے لکھی جاتی ہیں بلکہ وہ ایک تحریکی --- اور سب سے پہلی تحریکی تفسیر--- بن گئی اور یہی اس کی سب سے بڑی، اہم اور امتیازی خصوصیت ہے جو اس کو دوام عطا کرے گی ان شاء اللہ۔ کیونکہ وہ بہت عرصے تک تحریک اسلامی کے قائدین اور کارکنوں کے لیے، ساری دنیا میں، تحریکی رہنما کی حیثیت سے پڑھی، پڑھائی اور پھیلائی جائے گی۔

اس کا دوسرا تاب ناک پہلو یہ ہے کہ قرآن کی دوسری تحریکی تفسیر--- عربی زبان میں پہلی تحریکی تفسیر--- فی ظلال القرآن خود قرآن کی زبان میں ہونے اور سید قطبؒ جیسے نادر زمانہ ادیب، شاعر اور نقاد کے نوک قلم سے لکھے جانے اور سرخ اور گرم گرم خون شہید کی لال روشنائی سے لکھے جانے کی وجہ سے صاحب تفہیم کے سارے ہی اہم دینی، سیاسی، معاشی، اقتصادی، اجتماعی اور معاشرتی افکار و آرا کو زندہ و جاوید کر چکی ہے۔ مختصراً یہ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں (الٰہ، رب، عبادت اور دین)، سود، الجہاد فی

الاسلام، تفسیر سورۃ النور وغیرہ میں وارد افکار کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔

یوں **تفہیم**، سید مودودیؒ کی تحریکی آرا اور افکار کو تاقیامت متحرک رکھنے کے لیے بہت کافی ہے۔ یہ امتیاز نہ تو کسی پچھلے مفسر یا تفسیر کو حاصل ہے اور نہ مستقبل میں کسی اور تفسیر اور مفسر کو حاصل ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ **ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ** ○ (الحدید ۵۷:۲۱) "یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ بڑا فضل والا ہے"۔

(د)--- ایک خصوصیت، جو امتیازی حیثیت کی حامل ہے، وہ **تفہیم القرآن** کا "مقدمہ" ہے جو مولانا نے نیو سنٹرل جیل، ملتان، پاکستان میں لکھا (۱۷ ذی القعدہ ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۱ ستمبر ۱۹۴۹)۔ اس طرح محرم ۱۳۶۱ سے جو کام شروع کیا گیا اور جو **سورۃ یوسف** تک پہنچا اس کو دیکھنے اور اس پر نظرثانی کرنے کی فرصت بھی قائد تحریک اسلامی کو اس وقت ملی جب کہ وہ سنت یوسفی پر عمل پیرا تھے۔ اس طرح **تفہیم** جلد اول، جو **سورۃ الانعام** تک ہے اور **تفہیم** جلد دوم کے نصف تک مولانا نے ترتیب جدید اور نظرثانی کا کام جیل اور جیل کی فضا اور اس طوفانی اور تند و تیز ماحول میں کیا جو دستوری مہم کو موت کی نیند سلانے کے لیے مسئلہ کشمیر کے ذریعے کھڑا کیا گیا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ "سنت یوسفی" کی سعادت بابرکات صرف بلند اقبال اور خوش نصیب لوگوں کو ہوتی ہے اور جب وہ تجربات، احساسات اور غیر متزلزل ایمان و یقین میں ڈھل جاتی ہے تو شراب دو آتشہ بن کر اہل ایمان کو ثبات علی الحق کے عجیب و غریب دروس دیتی ہے۔

(ح)--- جیل کی نظرثانی کردہ سورتوں کو دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ قرآن کریم کی سب سے طویل سورتیں ہیں جن کا عمود، محور یا مرکزی مضمون دریافت کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔

چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ جو نظم قرآن کے ماہر تسلیم کیے جاتے ہیں، **تدبر قرآن** کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> اس میں شبہ نہیں کہ بعض بڑی سورتوں، مثلاً **بقرہ** اور **ال عمرٰن** میں بظاہر نظم کی جو مشکلات نظر آتی ہیں، چھوٹی سورتوں میں اس طرح کی مشکلات نہیں ہیں، خاص طور پر **بقرہ** تو **سمجھیے** کہ ہمت شکن ہے۔ **تدبر قرآن**، ج ۱)

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مخلص بندے سید مودودیؒ پر اپنی کتاب کے اسرار کس طرح کھولے تھے، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ نظم قرآنی کے بارے میں کوئی دعویٰ کیے بغیر اس نے فتوحات ربانیہ کے زیر اثر، نظم قرآن کی بڑی بڑی گتھیاں لمحوں میں سلجھا دیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موضوع کی مناسبت سے قرآن کی ایک چھوٹی اور سب سے بڑی سورت کے

نظم کے بارے میں مودودی رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر مفسرین کی آرا نقل کر دی جائیں۔ یہ سورتیں الفاتحۃ اور البقرہ ہیں۔

سورہ فاتحہ کا نظم اور اس کا ربط و تعلق

سید مودودیؒ: سورہ فاتحہ ایک دعا ہے بندے کی جانب سے، اور قرآن اس کا جواب ہے خدا کی جانب سے۔ بندہ دعا کرتا ہے کہ اے پروردگار! میری رہنمائی کر۔ جواب میں پروردگار پورا قرآن اس کے سامنے رکھ دیتا ہے کہ یہ ہے وہ ہدایت و رہنمائی جس کی درخواست تو نے مجھ سے کی ہے (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۴۲)۔

اس طرح قرآن ایک رہنما کتاب قرار پاتا ہے جس سے اس زندگی میں راہیں تلاش کرنی چاہییں۔ نظم کے لحاظ سے بعد کی ساری ہی سورتیں، پورا قرآن، سورہ فاتحہ کے مضامین اور مطالب سے مربوط ہیں۔ خیال رہے کہ سید مودودیؒ نے اس کو "دیباچہ" یا "آغاز کلام" قرار دیا ہے۔

امین احسن اصلاحیؒ: اس سورہ کا اسلوب دعائیہ ہے (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۲)۔ سورہ پر دعا کے پہلو سے ایک نظر ڈالیے تو پورے قرآن سے اس سورہ کا تعلق ظاہر ہو گا۔ سورہ فاتحہ کے آخری حصے اور سورہ بقرہ کی پہلی آیت پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ ان دونوں سورتوں میں وہی تعلق ہے جو تعلق ایک دعا اور اس کے جواب یا ایک دعا اور اس کے اثر اور اس کی قبولیت میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس سورت کو قرآن مجید کی ترتیب میں بھی دیباچہ قرآن کی جگہ دی گئی ہے (تدبر قرآن ج ۱، ص ۲۷)۔

سید قطب شہیدؒ: وہ یہ کہنے کے بعد کہ اس سورت کی پہلی پانچ آیات توحید، ربوبیت جمیع الخلائق، ایمان بالآخرہ جیسے بنیادی اسلامی تصورات پر دلالت کرتی ہیں، یوں رقمطراز ہوتے ہیں: اسلامی تصورات میں ان بنیادی کلیات کو مضبوطی سے قائم کرنے کے بعد اور اس بات کو گہرائی عطا کرنے کے بعد کہ صرف اللہ ہی کی طرف عبادت اور طلب مدد کے لیے رخ پھیرنا چاہیے، ان امور کی عملی تطبیق کی طرف پہلا قدم اللہ سے دعا کے ذریعے اٹھایا جاتا ہے۔ ایک ایسی کلی اور شامل دعا جو اس سورت کے مزاج اور فضا سے مناسبت رکھتی ہے۔ بالفاظ دیگر اس سورت کا مزاج اور فضا، سب کے سب دعا سے عبارت ہیں اور اس پر دلالت کرتے ہیں (فی ظلال القرآن، ج ۱، ص ۲۶)۔

الجلالین: ان معنی میں اس تفسیر میں کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا ہے۔

الکشاف: اس تفسیر میں صرف ایک مقام پر "اھدنا" کے مقام پر یہ آیا ہے کہ امر اور دعا کا صیغہ ایک ہی ہوتا ہے کیونکہ دونوں طلب پر دلالت کرتے ہیں لیکن اس سے اس سورت کے دعا ہونے پر روشنی نہیں پڑتی ہے۔

یہ آرا اس حقیقت کو کھول کر بیان کرتی ہیں کہ سورہ فاتحہ کو طلب ہدایت کی دعا اور باقی قرآن کو ہدایت اور رہنمائی سے عبارت جواب دعا صرف سید مودودیؒ نے پہلی بار بیان کیا اور ان ہی کی طرح مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے بھی یہی بات کہی ہے۔

عربی زبان میں پہلی تحریکی تفسیر لکھنے والے ہونے کی حیثیت سے سید قطبؒ نے اپنے ممدوح بلکہ استاذ مودودیؒ کی بات کہی ہے گو بغیر اس علم کے کہ سید مودودیؒ نے ایسا کہا ہے۔ اس کو توارد فکری اور توارد خواطر کہتے ہیں۔ اس سے سید مودودیؒ اور سید قطبؒ میں فکری ہم آہنگی اور مشابہت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سورہ بقرہ کا بعد کی سورتوں سے تعلق

سید مودودیؒ: دلچسپ چیز یہ ہے کہ سید مودودیؒ نے اس سورت کے "عمود" اور مرکزی مضمون کو سورہ کی ابتدا میں نہیں بلکہ آخر میں اور صحیح تر الفاظ میں اس کے آخری رکوع کے شروع میں بیان کیا ہے:

یہ خاتمہ کلام ہے۔ اس لیے جس طرح سورت کا آغاز دین کی بنیادی تعلیمات سے کیا گیا تھا، اسی طرح سورت کو ختم کرتے ہوئے بھی ان تمام اصولی امور کو بیان کر دیا گیا، جن پر دین اسلام کی اساس قائم ہے۔ تقابل کے لیے اس سورہ کے پہلے رکوع کو سامنے رکھ لیا جائے تو زیادہ مفید ہو گا (تفہیم القرآن ج ۱، ص ۲۲۲)۔

ان چند کلمات میں سید مودودیؒ نے نہ صرف عمود بیان کیا ہے بلکہ اس سورت کا ایک وحدت ہونا بھی ثابت کیا ہے یعنی اس طویل اور بقول مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے "خاص طور پر بقرہ تو سمجھئے کہ ہمت شکن مشکلات کا مجموعہ ہے" کو انھوں نے (یعنی مودودی رحمتہ اللہ علیہ نے) ایک وحدت گردان کر از اول تا آخر ایک مربوط اور سلیس عبارت سمجھ کر --- جس میں کہیں تعارض نہیں اور جھول نہیں --- اس کی تفسیر کر دی۔ رہے اس کے مطالب اور مضامین جو اس عمود یا محور یا مرکزی مضمون کے مختلف پہلوؤں سے مربوط ہیں اور جن کو مربوط کرنے ہی میں کسی مفسر کی شان تفسیر پنہاں ہے، ان کو انھوں نے شان نزول --- تاریخی پس منظر --- کے چار نکات میں بیان کر دیا ہے۔ یعنی یہود سے کش مکش، نوزائیدہ مملکت اور معاشرے کی تنظیم کے ابتدائی احکام، نئی ریاست کی بقا کے لیے ضروری جوش و خروش پیدا کرنا، جو انفاق الاموال اور انفاق الارواح پر منتج ہوتا ہے یعنی تعلیم جہاد اور منافقین اور ان سے لمبی کش مکش کی ابتدا (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۴۶-۴۸)۔

امین احسن اصلاحیؒ: اس سورہ کا مرکزی مضمون دعوت ایمان --- گویا سورہ فاتحہ میں ایمان باللہ کا ذکر ہے اور سورہ بقرہ میں ایمان بالرسالت کا (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۳۱)۔

سورہ بقرہ کے مطالب کا ذکر مجملاً سورہ میں خطاب کے عنوان کے تحت آیا ہے۔ یہود سے خطاب، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب، مسلمانوں سے خطاب۔ پہلی جماعت کا عناد اور سازشیں، نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کو صبر و استقامت کی تعلیم، مسلمانوں کو امت وسط کی ذمہ داریاں اٹھانے کی تلقین اور یہود سے سبق لینے کا حکم (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۳۲)۔

سید قطب شہیدؒ : مولانا مودودیؒ کی طرح انھوں نے اس کا عمود یا محور آخر میں اور آخری رکوع کو بنیاد بنا کر یوں بیان کیا ہے: یہ وہ خاتمہ سورہ ہے جو خود سورت کا خلاصہ بیان کرتا ہے اور عقیدہ کا خلاصہ بتاتا ہے اور مومنین کے تصور کی تلخیص بیان کرتا اور ہر لمحے ان کے اپنے رب کے ساتھ حال کی وضاحت کرتا ہے (فی ظلال القرآن، ج ۱، ص ۳۴۷)۔

سورت کے موضوعات اور مطالب کے ضمن میں وہ کہتے ہیں کہ: وہ دو ایسے دھاگوں سے عبارت ہیں جو اپنے محور سے بندھے ہوئے ہیں۔ ایک دھاگہ تو یہود، منافقین اور مشرکین کی چالوں اور سازشوں سے عبارت ہے اور دوسرا دھاگہ اسلامی جماعت کی مدینہ میں ایک ریاست کی شکل میں تاسیس اور اس کی مطلوبہ صفات جو خلافت کی امانت کو اٹھانے کے لیے مطلوب ہیں اور ان کو ان اسباب سے آگاہ کرنے سے عبارت ہے جو یہود کے منصب امامت سے معزولی کا سبب بنے ہیں (فی ظلال القرآن، ج ۱، ص ۲۸)۔

اگر اس عمود اور ان موضوعات کا سید مودودیؒ کے عمود اور نکات سے مقابلہ کیا جائے تو یوں محسوس ہو گا کہ یہ ان کی صحیح تصویر بلکہ عکس ہیں درآنحالیکہ تفہیم کا ترجمہ نہ اس وقت تک ہو پایا تھا اور نہ آج بھی ہو سکا ہے۔ تحریکی تفسیر سے پیدا ہونے والا یہ عجیب توارد فکر اور اتحاد خواطر ہے۔ **واللہ علٰی کل شئی قدیر۔**

الجلالین: اس میں عمود اور موضوعات و مطالب کے بارے میں کچھ مواد نہیں پایا جاتا ہے۔

الکشاف: اگرچہ زمخشری نے اس سورت میں نظم کے بارے میں دو جگہ اشارتاً کلام کیا ہے۔ مگر انھوں نے الم ○ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَارَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○، کو حسن نظم کا موجب اس حیثیت سے قرار دیا ہے کہ وہ ہم آہنگی کے ساتھ بغیر کسی حرف نسق (یعنی حروف عطف) کے اس طور پر بھائی چارگی کے ساتھ وارد ہوئے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے ہیں، کامل اتحاد کے ساتھ۔ پھر متقین کی صفات کے بیان کے بعد ان کے مخالف صفات لوگوں کا ذکر کر کے کلام میں تسلسل قائم کیا ہے۔ لیکن اس کے بعد انھوں نے خاموشی اختیار کر لی۔

سورہ بقرہ کی ایک آیت کا مشکل نظم

سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۸ "حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى" (اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو، خصوصاً ایسی نماز کی جو محاسن صلوٰۃ کی جامع ہو)، نکاح، طلاق، رضاعت اور ان عورتوں کے حقوق جن کے شوہر مر چکے ہوں اور مطلقات کے عام حقوق کے ذکر کے درمیان وارد ہوئی ہے، اس کی کیا حکمت ہے؟ اس

کا کیا مقام ہے؟ اس کا اگلی پچھلی آیات سے کیا ربط ہے؟ اس سلسلے میں ان حضرات کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

سید مودودیؒ: قوانین تمدن و معاشرت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اس تقریر کو نماز کی تاکید پر ختم فرماتا ہے کیونکہ نماز ہی وہ چیز ہے جو انسان کے اندر خدا کا خوف، نیکی و پاکیزگی کے جذبات اور احکام الٰہی کی اطاعت کا مادہ پیدا کرتی ہے اور اسے راستی پر قائم رکھتی ہے۔ یہ چیز نہ ہو تو انسان کبھی الٰہی قوانین کی پابندی پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا اور آخر کار اسی نافرمانی کی رو میں بہہ نکلتا ہے جس میں یہودی بہہ گئے (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۱۸۲)۔

پھر اس کے بعد تین آیات (۲۴۰-۲۴۲) کے بارے میں لکھتے ہیں:

سلسلہ تقریر اوپر ختم ہو چکا تھا۔ یہ کلام اس کے تتمے اور ضمیمے کے طور پر ہے (ایضاً، ص ۱۸۳)۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کس آسانی، مہارت اور غیر محسوس انداز میں انھوں نے اس آیت کا نظم، محل وقوع اور اگلی اور پچھلی آیات سے ربط و ضبط کھول کھول کر بیان کر دیا۔

امین احسن اصلاحی: گویا خاتمہ باب کی اصل آیت: **حافظوا ....**" والی ہے۔ اب اس باب کے آغاز پر نظر ڈالیے تو معلوم ہو گا کہ اس کے آغاز میں توحید کے ذکر کے بعد احکام شریعت کے سلسلے میں سب سے پہلے آیت ۱۷۷ میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر آتا ہے۔ یہاں دیکھیے تو معلوم ہو گا کہ اس باب کا خاتمہ نماز کے ذکر پر ہوا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس دین میں جو اہمیت نماز کی ہے وہ دوسری کسی چیز کی بھی نہیں ہے۔ ساری شریعت کا قیام و بقا اسی کے قیام و بقا پر منحصر ہے...." (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۵۰۵)۔

سید قطب شہیدؒ: ان آیات (۲۲۲-۲۴۲) کی تمہید کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے ظلال کے پہلے ایڈیشن میں لکھا تھا کہ: میں ایک عرصے تک، احکام معاشرہ سے نماز کی حفاظت تک تبدیلی آیات پر غور کرتا رہا مگر اس کا راز مجھے معلوم نہ ہو سکا اور جو کچھ اس سلسلے میں بعض تفسیروں میں آیا ہے اس سے میں مطمئن نہیں تھا (مذکورہ ایڈیشن کے صفحات ۶۸-۶۹)۔ لیکن اب میں اس تفسیر و توجیہ سے بالکل ہی مطمئن ہوں جو یہاں میں نے بیان کی ہے (فی ظلال القرآن، ج ۱، ص ۲۳۸)۔

فائدے سے خالی نہ ہو گا اگر ہم اس کو حرف بہ حرف نقل کر دیں۔ پہلے انھوں نے ان بارہ احکام کو تسلسل سے بیان کیا جو ان آیات میں وارد ہوئے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں:

ان احکام پر عمومی تعقیب یہ ہے: یوں اللہ اپنی آیات کو تم پر واضح کرتا ہے شاید کہ تم غور و فکر کر سکو۔ یہ سب کچھ عبادت ہے۔ شادی بیاہ میں اللہ کی عبادت، جنسی اتصال اور تناسل میں اللہ کی عبادت، طلاق اور انفصال میں اللہ کی عبادت، عدت اور رجعت (شوہر کی طرف واپسی) میں اللہ کی

عبادت، خرچ میں اور سامان ساتھ کرنے میں طلاق کے بعد اللہ کی عبادت، اچھی طرح ساتھ رکھنے اور زندگی گزارنے یا اچھے انداز میں بیوی کو چلتا کرنے میں عبادت، فدیہ دے کر (برے شوہر سے جان چھڑانے) اور بری عورت سے معاوضہ طلب کرنے میں عبادت، دودھ پلانے اور ماں سے علیحدہ ہونے میں عبادت۔ غرض ہر حرکت اور ہر سوچ میں اللہ کی عبادت۔ پھر ان احکام کے اثنا میں اور بیچ میں حالت خوف اور حالت امن میں نماز کا حکم آتا ہے، اور قبل اس کے کہ یہ سیاق ختم ہوتا کہ نماز کی عبادت کو زندگی کی دیگر عبادات میں جوڑ اور سمو دیا گیا۔ یہ ایک ایسا جوڑ اور امتزاج ہے جو اسلام کے مزاج سے ابھرتا ہے اور اسلامی تصور میں انسانی وجود کے مقصد سے وجود پذیر ہوتا ہے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ سیاق خود اس مضمون کا الہام کر رہا ہے۔ بڑے ہی لطیف انداز میں کہ یہ سب کی سب عبادت ہیں اور ان میں اللہ کی اطاعت اسی اطاعت کی طرح ہے جو نماز میں واقع ہوئی ہے اور یہ کہ زندگی ایک وحدت ہے۔ اور وہ طاعتوں کے مجموعے سے عبارت ہے اور سارے ہی احکام اللہ کی طرف سے ہیں اور یہ زندگی کے لیے اللہ کا دستور و نظام ہے (فی ظلال القرآن، ج ۱، ص ۲۳۸)۔

خوف طوالت سے میں اس کلام کو یہاں نہیں نقل کر رہا ہوں جو انھوں نے تفصیلی تفسیر میں لکھا ہے اور جو اس کی مزید تشریح ہے۔ دلچسپی رکھنے والے حضرات اس جلد کے صفحہ ۲۵۸ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

اب اگر اس عبادتی کلام اور عبادتی عبارت کا سید مودودیؒ اور مولانا اصلاحیؒ کے کلام سے موازنہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ سید قطب رحمتہ اللہ علیہ ان دونوں سے بھی بہت آگے نکل گئے ہیں۔ یہ نظر اول میں محسوس ہوتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تصور عبادت انھوں نے سید مودودیؒ کے تصور عبادت سے لیا ہے جو انھوں نے **قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں** میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ سید قطبؒ نے اس نادر زمانہ کتاب اور اس کے مصنف کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے مولانا کو "المسلم العظیم" کے خطاب سے یاد کیا ہے (فی ظلال القرآن، ج ۴، ص ۱۹۰۲)۔ اس عبارت کے اس جامع و مانع تصور کا سہرا سید مودودیؒ کے سر باندھا جانا چاہیے جو حقیقت کے عین مطابق ہے۔ **واللہ لا یستحی من الحق**۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ سید قطب رحمتہ اللہ علیہ نے سید مودودیؒ کی فکر کو خلود کی دنیا کا ستارہ بنا دیا ہے۔

الجلالین: اس میں نظم آیت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

الزمخشری: اس میں نظم آیت کی طرف کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا ہے۔

۲- تفسیر کے بنیادی اصول و تصورات پر لٹریچر : تفہیم القرآن کی دوسری اہم امتیازی

خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مصنف نے تمہیداً اس کے لیے کچھ دوسری کتابیں لکھی ہیں جن میں مذکورہ افکار و آرا و تحقیقات اور نتائج اس تفسیر کے بنیادی اصول و مبادی اور تصورات پر مبنی ہیں۔ ان میں سے بعض کتابوں کے نام یہ ہیں: **دین حق، اسلام اور جاہلیت، الجہاد فی الاسلام، دینیات، جہاد فی سبیل اللّٰہ، سود، حقوق الزوجین** اور سب سے بڑھ کر **قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں** جس نے فی ظلال القرآن کا روپ دھار کر سید مودودی رحمتہ اللہ علیہ کی فکر کو عربی زبان اور قرآن عربی کے ذریعے خلود بخشا ہے۔

۳- **تفسیری مقاصد کی خاطر ارض قرآن کا سفر :** تفہیم القرآن کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مصنف نے قرآن میں مذکور امتوں اور مقامات اور ان سے وابستہ تاریخی، فکری، دعوتی نتائج کو چشم سر سے دیکھ کر سمجھنے کے لیے ان مقامات کا طویل اور جاں گسل سفر کیا جس کی داستان میرے قابل احترام دوست عاصم الحداد مرحوم نے **سفرنامہ ارض القرآن** کے نام سے لکھی ہے جس کے نتائج ہم ان نقشوں اور تصویروں میں دیکھ سکتے ہیں اور ان تبصروں میں پڑھ سکتے ہیں جو مولانا محترم نے ان مقامات کے بارے میں لکھے ہیں۔

علم ارض القرآن، جس کے مصادر میں بہت سے مسلمان اور غیر مسلم دونوں مصنفین کی کتابیں شامل ہیں اور مشاہدہ ارض القرآن کے ذریعے مولانا نے مغربی مصنفین اور مستشرقین کے افترات اور جھوٹے دعوؤں کا پول کھولا ہے۔ ان تنقیدی تبصروں کا مقام علمی اور مشاہداتی ہونے کی وجہ سے بہت اونچا ہو گیا ہے۔ اس سفر میں مولانا نے بحرین، الخبر، الدمام، القیق، الریاض، الدرعیہ، وادی حنفیہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، جدہ، الطائف، الاردن، الشام، فلسطین و قدس اور مصر و سینا میں واقع تاریخی قرآنی اور سیرتی مقامات کا مشاہدہ کیا اور ضروری نوٹس لکھے۔ دینی، سیاسی اور علمی شخصیات سے ملاقاتیں کیں، اسلام اور امت مسلمہ کے مسائل کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ نوجوانوں کو اسلام کے لیے متحرک کیا اور حکام کو ان کی ذمہ داریاں سمجھانے کی کوشش کی۔ اپنے افکار کو کتابوں کے ذریعے اور تقریروں اور سوال و جواب کے ذریعے عام کیا۔ غرض اس سفر مبارک سے بہت سے دینی، علمی اور قرآنی اور سیرتی فوائد حاصل ہوئے۔

تکمیل بحث کے لیے یہاں اس امر کا اشارہ کرنا ضروری ہے کہ مولانا کو ارض احقاف، ارض سبا اور ارض تبع کی زیارت اور مشاہدہ کا موقع نہیں ملا۔ یہ سب مقامات یمن میں واقع ہیں۔

راقم السطور نے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور فضل سے ارض سبا کا سفر ۱۹۸۹ میں کیا اور اس کے مشاہدات اور متعلقہ آیت کی مناسب تشریح اور تفہیم کو اپنے سفرنامے **ارض مارب کا سفر اور مشاہدات** کے عنوان کے تحت ہفت روزہ **الاعتصام** لاہور میں پانچ قسطوں میں شائع کیا۔ اس سے قرآن کے طالب علموں کو کچھ نہ

کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔

عصر حاضر میں پاک و ہند کے مفسرین میں سے شاید ہی کسی نے محض تفسیری مقاصد کی خاطر ارض قرآن کا سفر کیا ہو، یہ شرف صرف سید مودودیؒ کو حاصل ہے۔

سیرتی پہلو سے بھی اس سفر کے خوشگوار اور دل خوش کن نتائج سیرت سرور عالم میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

۴- **فہرست موضوعاتی قرآن** : تفہیم القرآن کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ پہلی بار قرآنی موضوعات اور مباحث کی اتنی مفصل فہرستیں تیار ہو کر شائع ہوئیں۔ اس کے بعد اب رواج ہو گیا ہے کہ مفصل فہارس مباحث قرآن تیار کیے جائیں جیسا کہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تدبر قرآن میں ہم دیکھ سکتے ہیں۔

فی ظلال القرآن کے ساتھ یوں ہوا کہ اس کے مصنف کو خود یا اپنی نگرانی میں اپنی تفسیر کی چھ جلدوں کی، جو ۴ ہزار سے زائد (۴۰۱۶) بڑی تقطیع اور چھوٹے عربی ٹائپ کے صفحات پر مشتمل ہے، فہرستیں تیار کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ایک فہرست جس کے مرتب محمد علی قطب ہیں اور جس کا نام انھوں نے فہارس فی ظلال القرآن رکھا ہے، بہت ناکافی ہے اگرچہ وہ ۲۱۴ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

اردو تفاسیر کی فہارس مطالب قرآن کے بارے میں ڈاکٹر محمود حسن الٰہ آبادی کا تبصرہ معلومات افزا ہے جس میں تفہیم کے انڈکس اور اس کی تلخیص بقلم استاذی و مخدومی مولانا صدر الدین اصلاحی کے قلم سے اور اس کا حروف تہجی پر مبنی انڈکس اور تفہیم کی ۶ جلدوں "فہرست موضوعات قرآنی" کا ذکر آیا ہے۔ ان سب کے ذریعے مضامین قرآنی بحوالہ تفہیم القرآن نکالنے میں بہت سہولت ہوتی ہے۔

ہر جلد کے ساتھ مفصل فہرست موضوعات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے مطلوبہ مقامات پر مفسر کی رائے معلوم کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے، وقت اور محنت کی بچت ہوتی ہے۔ اس طرح عہد جدید کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

اہم گزارش : **ترجمان القرآن** میں اشتہار دینے والے اداروں یا افراد سے معاملات میں کوئی نقصان ہو، تو **ترجمان القرآن** کے نمایندے اس کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔ قارئین کو چاہیے کہ کوئی معاملہ کرنے سے پہلے تحقیقات کریں اور اپنی ذمہ داری پر معاملہ کریں۔